Regd No. L. 5254

رجسٹر نمبر ایل ۵۲۵۴

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اِنَّ الْفَضْلَ بِیَدِ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَاءُ ۔ عَسٰٓی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا

الفضل

روزنامہ — لاہور

تار کا پتہ۔ الفضل لاہور

شرح چندہ: سالانہ ۲۴ روپے، ششماہی ۱۳ ”، سہ ماہی ۷ ”، ماہوار ۲½ ”

فی پرچہ ۱/

یوم سہ شنبہ

ٹیلیفون نمبر ۲۹۷۹

۵ رجب ۱۳۷۱ھ

جلد ۴۰/۶ — یکم شہادت ۱۳۳۱ھش — یکم اپریل ۱۹۵۲ء — نمبر ۷۹

حضرت ام المومنین مدظلہا العالی کی تشویشناک علالت

ربوہ ۳۱ مارچ۔ مکرم جناب ناظر صاحب اعلیٰ بذریعہ تار مطلع فرماتے ہیں کہ حضرت ام المومنین مدظلہا العالی کی حالت میں کوئی فرق نہیں پڑا ہے۔ اس سے قبل ۳۰ مارچ کی جو اطلاع مکرم صاحبزادہ ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب نے بذریعہ ڈاک ارسال فرمائی ہے اس میں بتایا گیا ہے کہ

حضرت ام المومنین مدظلہا العالی کی طبیعت بدستور پہلے جیسی ہے۔ کل لاہور سے ڈاکٹر محمد یعقوب خان صاحب ڈاکٹر عبدالحق صاحب اور ڈاکٹر غلام محمد صاحب بلوچ آپ کو دیکھنے کے لئے آئے تھے۔ ان کی رائے میں بھی گردے میں سخت سوزش (acute pyelonephritis) ہے۔ کمزوری بھی ابھی پہلے جیسی ہے۔ شام کو بخار ہو جاتا ہے۔ باقی عوارض بھی بدستور ہیں لہذا صحابہ کرام اور تمام احباب جماعت کی خدمت میں دردمندانہ درخواست ہے کہ وہ اس بابرکت اور نہایت اہم وجود کی کامل شفایابی اور درازیٔ عمر کے لئے بے حد دعائیں کریں۔

جزاھم اللہ احسن الجزاء

پارلیمنٹ میں ضمنی مطالبات زر کی منظوری

کراچی ۳۱ مارچ۔ آج پاکستان پارلیمنٹ میں موجودہ مالی سال کے زائد اخراجات کے لئے ۳۰ کروڑ روپے سے زائد کے ضمنی مطالبات زر منظور کر لئے گئے۔

ان زائد اخراجات میں سے مہاجرین کی آبادکاری گیہوں کی خرید اور تعمیر و ترقی کے سلسلے میں ۶ کروڑ روپے سے زیادہ کی رقم صوبوں کو قرض اور امداد کے طور پر دی گئی۔ نیز دفاعی تدابیر پر دس کروڑ روپے خرچ ہوئے۔ ان میں وہ اخراجات بھی شامل تھے۔ جو سرحد کے ساتھ ساتھ ہندوستانی فوجوں کے اجتماع سے پیدا شدہ صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لئے کئے گئے۔

تیونس میں مارشل لاء نافذ کر دیا گیا

تیونس ۳۱ مارچ۔ فرانسیسی حکام کی جانب سے تیونس میں صلاح الدین بکوش کے وزیراعظم مقرر ہونے کے خلاف عوام کے مسلسل مظاہروں کو روکنے کے لئے مارشل لاء نافذ کر دیا گیا ہے۔ ان مظاہروں نے گزشتہ تین دنوں میں بہت شدت اختیار کر لی تھی تیونس میں فوج فرانسیسی محلے کے دروازے پر پہرہ دے رہی ہے۔ اس محلے کے سامنے پچھلے دنوں بہت سے مظاہرے کئے گئے تھے۔ پیرس سے آمدہ اطلاعات میں بتایا گیا ہے۔ کہ تیونس اور فرانس کے درمیان آمد و رفت و رسائل کے تمام سلسلے منقطع ہو گئے ہیں۔ نئے وزیراعظم صلاح الدین بکوش کو کابینہ مرتب کرنے میں مشکلات پیش آ رہی ہیں۔ جہاں تک نئی کابینہ کی تشکیل کا سوال ہے۔ تیونس کے بے اور وزیراعظم میں شدید اختلاف موجود ہے۔ وزیراعظم نے نو دستور پارٹی کے لیڈر کو کابینہ میں شمولیت کی دعوت دی تھی۔ لیکن انہوں نے اس پیشکش کو یہ کہتے ہوئے ٹھکرا دیا کہ میری پارٹی ایسی حکومت میں شامل نہیں ہو سکتی۔ جو بالجبر قائم کی جا رہی ہے۔ مزدور یونین نے نئی حکومت کے قیام کے خلاف احتجاج کے طور پر کل سے عام ہڑتال کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ یونین کے صدر نے اعلان کیا ہے کہ مزدور یونین نئی حکومت کو ہرگز تسلیم نہیں کرے گی۔ تیونس کے سابق وزیراعظم شینک نے جو ان دنوں قید میں ہیں مطالبہ کیا ہے کہ تیونس کی صورت حال کی تحقیقات کے لئے بین الاقوامی کمیشن مقرر کیا جائے۔ فرانس جس کی لاٹھی اس کی بھینس کے وحشیانہ اصول پر عمل کر رہا ہے۔

تیونس کی سابق کابینہ کے دو وزیروں کو جو ان دنوں قاہرہ میں مقیم ہیں امریکہ جانے کے لئے حکومت امریکہ کی طرف سے ابھی تک ویزا نہیں ملا ہے۔ یہ وزیر امریکہ پہنچ کر سلامتی کونسل میں تیونس کا معاملہ پیش کرنا چاہتے ہیں۔ اور اسی لئے تیونس سے چل کر قاہرہ میں آ مقیم ہوئے ہیں تا کہ وہاں سے امریکہ جانے میں آسانی ہو۔

سیالکوٹ میں احراریوں کا ناکام جلسہ

۳۰ مارچ ۱۹۵۲ء کو بوقت آٹھ بجے رات احراریوں نے رام تلائی سیالکوٹ میں جلسہ منعقد کیا شروع میں تو لوگ زیادہ سے زیادہ ایک ہزار تھے مگر جب تقریریں شروع ہوئیں تو مقررین کی لغو باتیں سن کر لوگ بھاگنے لگے۔ صرف دو تین سو آدمی آخر میں رہ گئے

تاجدین انصاری۔ شیخ حسام الدین اور احسان احمد شجاع آبادی نے اپنی تقریروں میں جماعت احمدیہ اور اس کے واجب الاحترام بزرگوں کے خلاف دشنام طرازی کی۔ اور چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب پر گند اچھالا اور شجاع آبادی نے تو حاضرین کی سرد مہری دیکھ کر بھانڈوں کی طرح نقالی شروع کر دی۔ لوگ ان کی یہ مذبوحی حرکات دیکھ کر شرم سے پانی پانی ہو رہے تھے۔ آخر شرمندہ ہو کر کہا کوئی نعرہ ہی لگاؤ۔ صرف ایک لڑکے نے نعرہ لگایا۔ پھر کہا ایک نعرے سے کیا ہوتا ہے۔ اس پر چند لوگوں نے جو سٹیج کے قریب تھے دبی آواز میں نعرہ لگایا۔

آخر میں چوہدری ظفر اللہ خان کو وزارت سے علیحدہ کرنے کا ریزولیوشن پیش کیا۔ صرف چند لوگوں نے ہاں کہا۔ دوسرے تمام لوگوں نے نہیں نہیں کہا۔ اس طرح جلسہ ناکام اور بصد ذلت ختم ہوا۔

احراریوں نے مسلم لیگ کے لیڈروں سے مدد لینے کی کوشش کی مگر مسلم لیگ والوں نے ان کی بے ہودگیوں میں شریک ہونے سے انکار کر دیا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہاں لوگ ان کی خصلتوں سے سخت بیزار ہیں اور اب ان کے فریب میں نہیں آتے۔ (نامہ نگار)

پاکستان اور ہندوستان کے درمیان تجارتی معاہدے کی میعاد بڑھانے کا مطالبہ

کراچی ۳۱ مارچ۔ ہندوستان کے وزیر خزانہ مسٹر دیش مکھ نے ایک بیان میں کہا ہے۔ کہ میں نے حکومت پاکستان سے درخواست کی ہے کہ ہندوستان اور پاکستان کے درمیان فروری ۱۹۵۱ء میں جو تجارتی معاہدہ ہوا تھا اس کی میعاد بڑھا دی جائے انہوں نے کراچی سے روانہ ہونے سے قبل آج ہوائی اڈے پر اخبار نویسوں کو بتایا کہ کل میں نے وزیر تجارت مسٹر فضل الرحمن سے معاہدے کی میعاد بڑھانے اور اس میں مناسب رد و بدل کرنے کے سوال پر بات چیت کی تھی۔ انہوں نے مزید کہا معاہدے کی میعاد میں توسیع کا قوی امکان ہے۔ یاد رہے معاہدہ مذکور کی میعاد اسی سال جون میں ختم ہو رہا ہے۔

انتہا پسندوں کے خلاف کوئی اقدام نہیں کیا جائیگا

تہران ۳۱ مارچ۔ ایرانی حکومت کے ایک ترجمان نے کہا ہے کہ حکومت انتہا پسند اخبارات اور اداروں کے خلاف کوئی اقدام کرنے کا ارادہ نہیں رکھتی۔ مارشل لاء احتیاطی تدبیر کے طور پر نافذ کیا گیا ہے۔ اس میں کوئی سیاسی چال پوشیدہ نہیں ہے۔

مختصر لیکن اہم

— ۳۱ مارچ ۱۹۵۲ء —

کراچی۔ برطانوی محکمہ خارجہ کے انڈر سیکرٹری نے کہا ہے کہ میں پاکستان کے ترقی کے منصوبوں سے بہت متاثر ہوا ہوں۔ آج انہوں نے کراچی سے لنڈن روانہ ہوتے ہوئے ایک بیان میں بتایا کہ پاکستانیوں میں کام کرنے کا زبردست حوصلہ اور جوش پایا جاتا ہے بالخصوص سکھر بیراج اور کوٹڑی بیراج پر جو کام ہو رہا ہے وہ نہایت اعلیٰ معیار کا ہے۔

حیدرآباد۔ آج کل دریائے سندھ کا پانی بہت خشک ہو گیا ہے۔ اس سے پہلے پانی کی سطح اتنی زیادہ نیچے کبھی نہیں اتری تھی

کراچی پاکستان مسلم لیگ کے صدر الحاج خواجہ ناظم الدین نے بہاولپور اسمبلی کے لئے مسلم لیگی امیدواروں سے انٹرویو کرنے کی غرض سے ایک تحقیقاتی کمیٹی مقرر کی ہے۔ کمیٹی کے ممبر ہفتہ کے روز کراچی سے بہاولپور روانہ ہو جائیں گے۔

لاہور پنجاب کے تین اضلاع ملتان منٹگمری اور راولپنڈی میں اقوام متحدہ کے اطفال فنڈ کے لئے ۲۷ ہزار روپے سے زیادہ رقم چندے کے طور پر جمع ہوئی ہے۔ عزت مآب گورنر پنجاب نے بھی ۲۰۰ روپے کی پیشکش کی ہے

ایڈیٹر۔ روشن دین تنویر بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی

مسعود احمد پرنٹر و پبلشر نے پاکستان پرنٹنگ ورکس میں طبع کرا کر ۳ میکلیگن روڈ لاہور سے شائع کیا

پاکستانی نوجوانوں کا فرض ہے کہ وہ اپنے آپ کو راہ نمائی اور قیادت کا اہل ثابت کریں

جلسہ تقسیم اسناد کی کارروائی میں انگریزی کی جگہ اردو کو رواج دینے میں اولیت کا سہرا تعلیم الاسلام کالج کے سر ہے

کالج کے جلسہ تقسیم اسناد و انعامات میں قوم کے نوجوانوں سے آنریبل ڈاکٹر جسٹس ایس۔ اے رحمان کا خطاب

لاہور ۳۱ مارچ۔ کل تعلیم الاسلام کالج کے جلسہ تقسیم اسناد میں خطبہ پڑھتے ہوئے پنجاب یونیورسٹی کے وائس چانسلر آنریبل ڈاکٹر جسٹس ایس۔ اے رحمان نے طلباء سے اپیل کی کہ وہ اپنے آپ کو اس راہ نمائی اور قیادت کا اہل ثابت کریں۔ جس کا بار عنقریب ان کے کندھوں پر پڑنے والا ہے۔ آپ نے انہیں مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔ آپ اپنی ہی نہیں بلکہ تمام مسلمان قوم کی قسمت بنا سکتے ہیں۔ آپ اپنے منتہی مقصود کی طرف بڑھیں۔ اور اس حال میں بڑھتے چلے جائیں۔ کہ آپ کی صفوں میں پوری تنظیم ہو اور آپ کے دل کامل یقین اور کامل ایمان سے لبریز ہوں۔ آپ نے خطبہ شروع کرنے سے قبل تعلیم الاسلام کالج کو اس امر پر مبارکباد دی۔ کہ اس نے جلسہ تقسیم اسناد کی کارروائی میں انگریزی کی جگہ اردو کو رواج دینے کی نہائت کامیاب کوشش کی ہے۔ آپ نے فرمایا میں یونیورسٹی کا نووکیشن میں بھی اردو کو رواج دینا چاہتا تھا۔ لیکن آپ لوگوں نے پہل کر کے دوسروں کے لئے مثال قائم کر دکھائی ہے۔ اب اولیت کا سہرا آپ ہی کے سر ہے۔ جلسہ تقسیم اسناد کے بعد کالج کے پرنسپل صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب نے کالج کی ۵۲-۱۹۵۱ء کی رپورٹ پیش کرتے ہوئے اس بات پر زور دیا کہ قوم کے پڑھے لکھے فرزند اس کی روح رواں ہوتے ہیں۔ اور اس کی خوبیوں یا برائیوں کے آئینہ دار۔ پس اس گروہ کی تربیت کا سوال نہائت اہم سوال ہے۔ اور یہ تربیت انہیں کالج کے ماحول ہی میں مل سکتی ہے۔ جہاں نظم و آزادی کا لطیف امتزاج بہترین اخلاق پیدا کر سکتا ہے۔ آپ نے فرمایا پس کالج کا زمانہ قومی نقطۂ نگاہ سے نازک ترین زمانہ ہوتا ہے۔ چنانچہ تعلیم الاسلام کالج کی ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ وہ ایسا ماحول پیدا کرے۔ جس میں نظم و آزادی کا توازن ہاتھ سے نہ چھوٹے۔ اخلاق کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے آپ نے فرمایا۔ ضروری ہے کہ طلبا کو دیانتدار اور جفاکش بنایا جائے۔ خواہ اس پر ہزار زحمتیں ہی کیوں نہ برداشت کرنی پڑیں۔ آپ نے آمد و خرچ کا جائزہ پیش کرتے ہوئے کالج کی ہمہ گیر ترقی پر تفصیل سے روشنی ڈالی

آنریبل ڈاکٹر جسٹس ایس۔ اے رحمن کے انگریزی خطبہ کا مکمل ترجمہ درج ذیل ہے۔

پرنسپل صاحب اور حضرات!

میرے محترم دوست شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ کو ترغیب دلانے اور مائل کرنے کا جو ملکہ حاصل ہے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ میں ابتدا ہی میں ان کے اس ملکہ اور صلاحیت کی داد دوں۔ کیونکہ یہ محض ان کے پرتاثیر اصرار ہی کا نتیجہ ہے کہ آج یہاں آپ مجھے اپنے درمیان دیکھ رہے ہیں۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ لوگوں سے ملنے کا موقعہ میسر آنے پر مجھے خوشی نہیں ہوتی۔ اس سے بڑھ کر میرے لئے اور کوئی چیز مسرت بخش نہیں ہو سکتی۔ کہ مجھے تعلیم یافتہ نوجوانوں سے ملنے کا موقعہ میسر آئے۔ اور پھر ان نوجوانوں سے کہ جن کے ساتھ ہماری مستقبل کی تمام امیدیں وابستہ ہیں جیسا کہ شیخ بشیر احمد صاحب کو علم ہے گوناگوں مصروفیات کے پیش نظر میرے لئے اس تقریب میں شامل ہونا بہت مشکل تھا لیکن انہوں نے مجھے یاد دلایا کہ اس قسم کی فروگذاشتیں مجھ سے پہلے بھی سرزد ہوتی رہی ہیں۔ اس لئے میں نے ان کے دعوت نامہ کو قبول کرتے ہوئے تعلیم الاسلام کالج کی اس تقریب میں شریک ہونا منظور کر لیا تا گزشتہ فروگذاشتوں کی ایک حد تک تلافی ہو سکے۔

سب سے پہلے میں کامیاب ہونے والے طلبا کو مبارکباد دیتا ہوں۔ ان کی شب و روز کی محنت ٹھکانے لگی۔ اب وہ ماشاء اللہ اس قابل ہیں کہ وہ قوی امید کے ساتھ اپنے مستقبل کا خیر مقدم کرتے ہوئے آگے بڑھیں۔ میں ان طلباء کے ساتھ بھی دلی ہمدردی اور دردمندی کا اظہار ضروری سمجھتا ہوں جو بدقسمتی سے اس سال کامیاب نہ ہو سکنے کے باعث اس خوشکن تقریب میں حصہ نہیں لے سکے میری دعا ہے کہ آئندہ سال ان کی کوشش بارآور ثابت ہوں۔

شعور اور امتیاز کی صلاحیتیں

میں محض روائتی نصائح پر ہی جو بالعموم ایسے مواقع پر دی جاتی ہیں اکتفا نہیں کرنا چاہتا مجھے یقین ہے کہ آپ لوگ اب اس مرحلہ میں داخل ہو چکے ہیں۔ کہ جہاں انسان شعور اور امتیاز کی صلاحیتوں سے ہمکنار ہو کر اس قابل ہو جاتا ہے۔ کہ اپنی قوتِ فیصلہ سے کام لیتے ہوئے اچھے اور برے میں تمیز کر سکے۔ اس مرحلہ میں داخل ہونے کے بعد آپ خود غور و فکر کے بعد آخری نتیجے تک پہونچ سکتے ہیں۔ اور اس امر کو پسند نہیں کرتے کہ دوسروں کی رائے آپ پر ٹھونس جائے۔ تجسس کا مادہ بڑھ جاتا ہے۔ ویسے بھی اہم اقدار اور ان کی افادیت جانچنے کے لئے کسی قول یا شہادت کو معیار کے طور پر اس وقت تک تسلیم نہیں کیا جاتا۔ جب تک کہ ضمیر کی باطنی تائید اور ایقان اسے حاصل نہ ہو جائے۔ ایسا باطنی یقین صرف ذاتی تحقیق کے نتیجہ ہی میں حاصل ہوا کرتا ہے۔ خواہ یہ تحقیق اپنی نوعیت کے لحاظ سے مادی ہو یا روحانی۔ جہاں تک روحانیت کا تعلق ہے اس میدان میں آپ کو اپنی مشکلات پر خود ہی قابو پانا پڑتا ہے۔ اگرچہ اتنی سہولت ضرور میسر ہوتی ہے کہ ان لوگوں کے تجربات جو آپ سے پہلے گذر چکے ہیں آپ کے سامنے ہوتے ہیں۔ اور آپ غور و فکر کے بعد اپنے ذاتی تجربات سے ان کا مقابلہ کر کے راہ نمائی حاصل کر سکتے ہیں۔

ذاتی مشاہدات

اب میں آپ کے سامنے بعض ایسے مشاہدات رکھتا ہوں۔ جو اشخاص اور اجسام سے متعلق میرے ذاتی تجربات پر مبنی ہیں۔ آپ ان پر جس انداز سے غور کرنا چاہیں یا جس رنگ میں ان سے فائدہ اٹھانا مناسب سمجھیں آپ اٹھا سکتے ہیں۔ اس دنیا کو آپ یوں سمجھ لیجئے کہ ایک وسیع مکان میں بہت سی حویلیاں ہیں۔ ان میں سے ہر ایک میں مختلف قسم کے لوگ آباد ہیں۔ مختلف امور کے متعلق ان کے درمیان اختلاف اور عدم اتفاق کی گنجائش موجود ہے۔ پھر اس بات کا بھی امکان ہے۔ کہ ان میں بعض افراد ایسے ہوں کہ جو کسی حقیقت کے مختلف پہلوؤں کا بیک وقت جائزہ نہ لے سکیں۔ اور ان میں طبعاً یہ خواہش پیدا ہو۔ کہ وہ دوسروں کے خیالات معلوم کریں تاکہ ان کے اپنے مشاہدات کی تکمیل ہو سکے۔

ذہنی تغافل

جہاں تک اپنے مشاہدات کو آپ کے سامنے رکھنے کا سوال ہے میں بہت سی باتیں بیان کر سکتا ہوں۔ لیکن یہ خیال بھی دامنگیر ہے۔ کہ کہیں ان تمام باتوں کے تذکرہ سے آپ اکتا نہ جائیں۔ اور یہ نہ سمجھنے لگیں کہ اس سے مجھے اپنے علم کا اظہار مقصود ہے۔ اس لئے میں نے دو ایک باتیں ہی منتخب کی ہیں۔ شائد آپ ان سے کوئی فائدہ اٹھا سکیں۔

بعض مواقع پر میں نے اپنے ہم وطنوں میں ایک رجحان مشاہدہ کیا ہے۔ جسے میں ذہنی تغافل سے تعبیر کر سکتا ہوں۔ بسا اوقات میں نے سڑک پر ایسے راہ گیر اور سائیکل سوار دیکھے ہیں۔ جو آمد و رفت کی تند و تیز رو سے بالکل بے خبر ہوتے ہیں موٹر کاروں کے ہارن اور بریکوں کی کرخت آوازیں راہ گیروں کے ذہنی تغافل کا ثبوت بہم پہونچانے کے لئے کافی اور بسا کافی ہیں۔ اسی طرح ایسے لوگوں کی مجالس میں بھی جو یونیورسٹی کی اعلےٰ تعلیم سے بہرہ یاب ہیں۔ عجیب قسم کے شور و غل اور بدنظمی کے مظاہرے دیکھنے میں آتے ہیں۔ سیر و تفریح کی جگہوں میں بھی قطار بندی کی عادت مفقود ہے۔ ہمارے پبلک جلسوں میں بھی بدنظمی اور بے ترتیبی کی یہی کیفیت ہوتی ہے۔ ایک مرتبہ عیدالفطر کے موقعہ پر شاہی مسجد میں افسوسناک بھاگڑ اور افراتفری کا واقعہ آپ کو یاد ہو گا۔ اور یہ امر بھی آپ نہیں بھولے ہوں گے۔ کہ اس کے نتیجہ میں بہت سی قیمتی جانیں ضائع ہوئیں۔

حیلے اور بہانے

دور جانے کی ضرورت نہیں خود تعلیمی حلقے میں بھی ہمارے طلباء کی طرف سے قواعد و ضوابط کی پابندیوں کو نظرانداز کرنے اور رعایت دلانے کی خواہش کا نہائت نامناسب اظہار ہو رہا ہے

(باقی دیکھیں ص ۸ پر)

روزنامہ الفضل لاہور
مورخہ یکم اپریل ۱۹۵۲ء

اسلامی بلاک پر غیر مسلموں کا اعتراض

ایک معاصر لکھتا ہے۔

"شیخ عبدالمجید سلیم شیخ الازہر قاہرہ نے پاکستان کی اس کانفرنس کا خیر مقدم کیا ہے۔ جو کراچی میں تمام مسلمان ملکوں کے وزرائے اعظم کی ہو رہی ہے شیخ نے کہا یہ کانفرنس صحیح منزل کی طرف صحیح قدم ہے۔ اس کے لئے پاکستان تمام مسلمانوں کے شکریہ کا مستحق ہے۔

اتحاد اسلامی کی اس تجویز پر مصر کے عیسائی اخبار المقطم نے ایک شدید مخالفانہ مقالہ لکھا تھا۔ اس نے کہا تھا یہ تجویز نہایت خطرناک ہے۔ اس لئے کہ جب ایک مسلم بلاک بنے گا تو اس کے ردِّ عمل کے طور پر مشرق وسطیٰ میں ایک عیسائی بلاک بھی بن جائے گا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس خطۂ ارضی میں پھر حروب صلیبیہ کے زمانہ کے حالات پیدا ہو جائیں گے۔

شیخ نے اس تنقید کے جواب میں کہا یہ بالکل غلط ہے۔ کہ مذہبی بنیادوں پر اتحاد قائم کرنا مضر اور موجب نقصان ہے۔ اسلام میں مذہب اور سیاست میں کوئی تفریق نہیں۔ مسلمانوں کے طرز عمل کی راہنمائی ان کے روحانی اور مادی معاملات میں قرآن کی تعلیمات کرتی ہیں۔ اور وہ نہایت منصفانہ اور رواداراتہ ہیں۔ معترضین کو چاہیئے کہ اس قسم کی غیر ذمہ دارانہ نکتہ چینی کرنے سے قبل قرآن مجید کا مطالعہ کر لیں"

(تسنیم لاہور ۲۸ مارچ ۵۲ء)

عیسائی اخبار المقطم کے علاوہ اور لوگوں نے بھی یہ اعتراض کیا ہے۔ بظاہر شیخ الازہر کا جواب صحیح معلوم ہوگا۔ لیکن یہ جواب معترضین کے لئے تسلی بخش نہیں کہا جا سکتا۔ شیخ الازہر کو چاہیئے تھا کہ وہ اس بات کی مزید تشریح کرتے۔ فی زمانہ ان علمائے اسلام نے جو مسلمان اقوام کی سیاسی برتری چاہتے ہیں "سیاست اسلام ہے اور اسلام سیاست ہے" کا نظریہ ایجاد کر کے اسلام کے سمجھنے کی راہ میں ایک اور دیوار کھڑی کر دی ہے۔ جہاں تک اس کا یہ مطلب ہے۔ کہ اسلام سیاست کے لئے بھی اخلاقی لائحہ عمل پیش کرتا ہے۔ بے شک ہم کہہ سکتے ہیں کہ اسلام سیاست سے باہر نہیں ہے۔ لیکن اگر اس کا یہ مطلب لیا جائے کہ اسلامی آئیڈیالوجی بھی اشتراکیت کی طرح ایک ایسی آئیڈیالوجی ہے۔ کہ جو سیاست سے سراسر غیر منفک ہے۔ تو "سیاست اسلام ہے اور اسلام سیاست ہے" کا نظریہ غلط ہے اسلام اساساً ایک روحانی نظام ہے۔ اور انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے لئے ایک ایسا متوازن لائحہ عمل پیش کرتا ہے۔ جس پر کاربند ہو کر نہ صرف دنیوی زندگی ہی بہترین بن سکتی ہے۔ بلکہ اخروی فلاح حاصل ہو سکتی ہے۔ اس کے متعلق اسلام کا اصول قرآن کریم کی سکھائی ہوئی مندرجہ ذیل دعا سے واضح ہوتا ہے۔

ربنا آتنا فی الدنیا حسنة و
فی الآخرة حسنة وقنا عذاب النار

یعنی اے ہمارے رب ہماری دنیا بھی اچھی ہو۔ اور ہماری آخرت بھی اچھی ہو۔ اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔

اب ظاہر ہے۔ کہ زندگی کا سیاسی پہلو بھی انسانی زندگی کا ہی پہلو ہے۔ اس لئے وہ بھی اس دعا کے مطابق اچھا ہونا چاہیئے۔ یعنی ایسا ہونا چاہیئے۔ جو اخروی فلاح کا موید ہو۔ اور جو ہمیں آگ کے عذاب سے بچانے والا ہو۔ یعنی اگر کوئی سیاسی کام ہمارے سپرد ہو۔ تو ہمیں اس کو اس نقطۂ نظر سے سرانجام دینا چاہیئے۔ اس سے بھی زیادہ یہ کہ جس سیاسی نظام کے ہم کارکن ہیں۔ اس سارے نظام کو اسی مقصد کے پیش نظر متاثر بھی کرنا چاہیئے۔

مگر انسانی زندگی کا اجتماعی پہلو صرف سیاسی پہلو ہی نہیں ہے۔ ایک تاجر کی زندگی کا اجتماعی پہلو کام کے لحاظ سے ایک وزیر مالیات کی زندگی کے اجتماعی پہلو سے مختلف ہے۔ لیکن اخروی فلاح کی رو سے ایک تاجر اور ایک وزیر مالیات کی زندگی میں کوئی فرق نہیں۔ دونوں کے لئے اسلام کے اخلاقی اور روحانی نظام کی پابندی لازمی ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ جس طرح تجارت انسان کی زندگی کا حقیقی منتہائے مقصود نہیں ہے۔ اسی طرح سیاست بھی حقیقی منتہائے مقصود نہیں ہے۔ بلکہ حقیقی منتہائے مقصود اخروی فلاح ہے۔ اور جس کے حصول کے لئے ہمیں اپنے تئیں کسی خاص ضمنی مقصد کے ساتھ وابستہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ اصل چیز یہ ہے۔ کہ جہاں کہیں بھی ہم ہوں۔ اسی حقیقی منتہائے مقصود کے پیش نظر عمل کریں۔

شیخ الازہر کا یہ کہنا کہ اسلام میں مذہب اور سیاست میں کوئی فرق نہیں۔ اگر تو اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ اسلام چونکہ انسان کی اجتماعی زندگی کے لئے بھی اخلاقی معیار اور لائحہ عمل پیش کرتا ہے۔ اور سیاست اجتماعی زندگی کا ہی ایک پہلو ہے۔ خواہ یہ پہلو کتنا ہی اہم کیوں نہ ہو۔ تو آپ کا کہنا واقعی صحیح ہے اور اس لحاظ سے کسی غیر قوم کو اسلامی بلاک سے ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ ایسے بلاک کے اندرونی اور بیرونی بین المذاہب معاملات یقیناً ایک نہایت اعلیٰ اخلاقی معیار کے مطابق انجام پائیں گے۔ کیونکہ اسلام کا بنیادی بین المذاہب اصول لا اکراہ فی الدین ہے۔ یعنی دین میں کسی قسم کا جبر نہیں۔ اسلامی بلاک نہ تو اندرون بلاک رہنے والے غیر مسلموں پر کسی قسم کا جبر روا رکھے گا۔ اور نہ کسی غیر مسلم ملک یا بلاک کے خلاف صرف دینی اشاعت کے لئے جارحانہ اقدام کریگا۔ اس لحاظ سے عیسائیوں کے اخبار المقطم کی نکتہ چینی بلاوجہ ہے۔ اور اس کا یہ کہنا کہ اسلامی بلاک بننے سے مشرق وسطیٰ میں ایک عیسائی بلاک بن جائے گا۔ اور خطہ ارضی میں پھر حروب صلیبیہ کے سے حالات پیدا ہو جائیں گے اگر کچھ معنی رکھتا ہے۔ تو یقیناً اسکی ذمہ داری اسلامی بلاک پر نہیں ہوگی۔ بلکہ جس طرح پہلی حروب صلیبیہ کی ذمہ داری عیسائیوں پر ہی عائد ہوتی ہے۔ اسی طرح آئندہ بھی اگر ایسا ہوا۔ تو اس کی ذمہ داری عیسائیوں پر ہی ہوگی۔

مگر بات یہیں ختم نہیں ہو جاتی۔ سوال کے دوسرے پہلو پر بھی غور کرنا ضروری ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ اگر شیخ الازہر کا اپنے الفاظ سے وہ مطلب نہیں ہے۔ جو ہم نے اوپر بیان کیا ہے۔ بلکہ زمانہ حال کے سیاسی علماء کہلانے والوں کی طرح ان کا مطلب بھی یہی ہے۔ کہ سیاست اسلام ہے۔ اور اسلام سیاست ہے۔ تو پھر المقطم کی نکتہ چینی غیر واجب نہیں کہی جا سکتی۔ کیونکہ ان سیاسی علمائے اسلام کا نظریہ یہ ہے۔ کہ اسلامی تحریک بھی اشتراکی اور فاشی لادینی تحریکوں کی طرح مدافعانہ اور جارحانہ اقدامات میں فرق نہیں کرتی۔ یعنی تمام دنیا میں لادینی نظام کو مٹا کر اسلامی نظام [illegible] کرنے کے لئے تلوار کا استعمال جائز ہی نہیں بلکہ لازمی ہے۔ اسلامی تحریک کا یہ نظریہ واقعی غیر مسلم اقوام کو سوچ میں ڈال سکتا ہے۔ اور ان کو اکسا سکتا ہے۔ کہ وہ تہیہ کر لیں۔ کہ پیشتر اس کے کہ اسلامی بلاک وجود میں آئے۔ یا وجود میں آکر مضبوط ہو سکے۔ ان کی ذاتی سلامتی کا تقاضا یہی ہے۔ کہ اسکی پورے زور کے ساتھ مخالفت کریں۔ اور اس کو معرضِ وجود میں نہ آنے دیں۔ اور ہر طریقے سے اس کو روکیں۔ اس لحاظ سے المقطم کے لئے شیخ الازہر کا جواب کوئی معنی نہیں رکھتا۔

ہمیں یقین ہے۔ کہ جناب شیخ عبدالمجید سلیم شیخ الازہر قاہرہ نے جو کچھ المقطم کے جواب میں کہا ہے۔ وہ ہمارے سیاسی علمائے اسلام کے نقطۂ نظر سے نہیں کہا۔ بلکہ انہوں نے اسلام کی اسی بنیادی تعلیم کے پیش نظر کہا ہے۔ جس کی تشریح ہم نے اوپر کی ہے۔ اور ہمارا یہ یقین آپ کے الفاظ ذیل سے پیدا ہوتا ہے۔

مسلمانوں کے طرز عمل کی رہنمائی ان کے روحانی اور مادی معاملات میں قرآن کی تعلیمات کرتی ہیں۔ اور وہ نہایت منصفانہ اور رواداراتہ ہیں۔

مگر ہمیں افسوس سے کہنا پڑتا ہے۔ کہ گذشتہ ساٹھ ستر سال کے عرصہ میں بعض لوگوں نے اسلام کا صحیح چہرہ نمایاں کرنے کی جو کوشش کی ہے۔ چند کج فہم مولویوں نے اپنی تحریروں سے اسے پھر دھندلا کر دیا ہے۔ اور اسلام کے متعلق جو غلط فہمیاں دور ہونے لگی تھیں ان کو بعض علمائے اسلام نے پھر تقویت پہنچا دی ہے اور یہی وجہ ہے۔ کہ عیسائیوں کے اس اخبار اور دیگر غیر مسلموں نے اسلامی بلاک پر پھر اسی قسم کے اعتراضات کئے ہیں۔ جس قسم کے اعتراضات ہٹانے کے لئے اسلام کا صحیح چہرہ دکھانے کی کوشش کی گئی تھی۔ اس لئے شیخ الازہر کا صرف یہ کہنا کہ معترضین کو چاہیئے کہ اس قسم کی غیر ذمہ دارانہ نکتہ چینی کرنے سے قبل قرآن مجید کا مطالعہ کریں۔ کافی نہیں ہو سکتا۔ جبکہ سیاسی علماء نے لا اکراہ فی الدین کے معنی بھی اپنی خود ساختہ تشریحات سے محدود کر دیئے ہوئے ہیں۔ اس لئے اگر ہم چاہتے ہیں۔ کہ غیر مسلم اقوام مسلمانوں کی یکجہتی اور اتحاد کو مخالفانہ رنگ میں نہ لیں۔ ہمیں اسلام کی منصفانہ اور رواداراتہ تعلیم کا نہ صرف تقریروں سے بلکہ عمل سے ثبوت بہم پہنچانا چاہیئے۔ اور ایسے تمام لٹریچر کی روک تھام کے لئے جو اسلامی منصفانہ اور روادارانہ تعلیمات کے منافی ہو۔ اور جو اسلام کو ایک متشدد اور جارحانہ دین کے طور پر پیش کرتا ہے۔ تمام اسلامی ممالک کو کوئی مشترکہ قدم اٹھانا چاہیئے۔

حضرت ام المومنین اطال اللہ بقاءہا کیلئے اجتماعی دعا اور صدقہ

مورخہ ۲۸ مارچ ۵۲ء بروز جمعہ بعد از نماز مسجد احمدیہ مسن وباڈہ میں حضرت ام المومنین مدظلہا العالی کی صحت کاملہ اور درازیٔ عمر کے لئے اللہ تعالےٰ کے حضور تمام احباب جماعت نے اجتماعی دعا کی۔ اور ایک بکرا بطور صدقہ ذبح کر کے غرباء میں تقسیم کیا۔

خاکسار مرزا فتح محمد سیکرٹری جماعت احمدیہ مسن وباڈہ ضلع لاڑکانہ سندھ

احمدیت کوئی نیا مذہب نہیں!

(رقم فرمودہ حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز)

احمدیت کیا ہے۔ اور کس غرض سے اُس کو قائم کیا گیا ہے۔ یہ ایک سوال ہے۔ جو بہت سے واقفوں اور ناواقفوں کے دلوں میں پیدا ہوتا ہے۔ واقفوں کا مطالعہ زیادہ گہرا ہوتا ہے۔ اور ناواقفوں کے سوالات بہت سطحی ہوتے ہیں۔ بوجہ عدم علم کے بہت سی باتیں وہ اپنے خیال سے ایجاد کر لیتے ہیں۔ اور بہت سی باتوں پر لوگوں سے سن سنا کر یقین کر لیتے ہیں۔ میں پہلے انہی لوگوں کی واقفیت کے لئے کچھ باتیں کہنا چاہتا ہوں جو عدم علم اور ناواقفیت کی وجہ سے احمدیت کے متعلق مختلف قسم کی غلط فہمیوں میں مبتلا ہیں۔

ان ناواقفوں میں سے بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں۔ کہ احمدی لوگ کلمہ لا الٰہ الا اللّٰہ محمد الرسول اللّٰہ کے قائل نہیں۔ اور احمدیت ایک نیا مذہب ہے۔ یہ لوگ یا تو بعض دوسرے لوگوں کے بہکانے سے یہ عقیدہ رکھتے ہیں یا ان کے دماغ یہ خیال کر کے کہ احمدیت ایک مذہب ہے۔ اور ہر مذہب کے لئے کسی کلمہ کی ضرورت ہے۔ سمجھ لیتے ہیں۔ کہ احمدیوں کا بھی کوئی نیا کلمہ ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ نہ احمدیت کوئی نیا مذہب ہے۔ اور نہ مذہب کے لئے کسی کلمہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ بلکہ اس سے بڑھ کر میں یہ کہتا ہوں۔ کہ کلمہ اسلام کے سوا کسی مذہب کی علامت نہیں۔ جس طرح اسلام دوسرے مذاہب سے اپنی کتاب کے لحاظ سے ممتاز ہے۔ اپنے نبی کے لحاظ سے ممتاز ہے۔ اپنی عالمگیری کے لحاظ سے ممتاز ہے۔ اسی طرح اسلام دوسرے مذاہب سے کلمہ کے لحاظ سے بھی ممتاز ہے۔ دوسرے مذاہب کے پاس کتابیں ہیں مگر کلام اللہ سوائے مسلمانوں کے کسی کو نہیں ملا۔ کتاب کے معنی صرف مضمون کے ہیں۔ فرائض کے ہیں۔ احکام کے ہیں۔ لیکن کتاب کے مفہوم میں ہرگز یہ بات شامل نہیں کہ اس کے اندر بیان شدہ مضمون کا ایک ایک لفظ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہو۔ مگر اسلامی کتاب کا نام کلام اللہ رکھا گیا ہے یعنی اس کا ایک ایک لفظ بھی خدا تعالیٰ کا بیان کردہ ہے۔ جس طرح اس کا مضمون خدا تعالیٰ کا بیان کردہ ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کتاب کا مضمون وہی تھا جو خدا تعالیٰ نے بیان فرمایا تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وہ تعلیم جو دنیا کے سامنے وہ پیش کرتے تھے وہی تھی۔ جو خدا تعالیٰ نے ان کو دی تھی۔ لیکن ان لفظوں میں نہ تھی۔ جو خدا تعالیٰ نے استعمال فرمائے تھے تورات، انجیل اور قرآن کو پڑھنے والا اگر اس مضمون کی طرف اپنی توجہ کو پھیر دیا جائے۔ تو دس منٹ کے مطالعہ کے بعد ہی یہ فیصلہ کر لے گا۔ کہ تورات اور انجیل کے مضامین خواہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہوں ان کے الفاظ خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں۔ اور اسی طرح وہ یہ بھی فیصلہ کرے گا۔ کہ قرآن کریم کے مضامین بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ اور اس کے الفاظ بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ یا یوں کہہ لو۔ کہ ایک ایسا شخص جو قرآن کریم، تورات اور انجیل پر ایمان نہیں رکھتا۔ ان تینوں کتابوں کا چند منٹ مطالعہ کرنے کے بعد اس بات کا اقرار کرنے پر مجبور ہوگا۔ کہ تورات اور انجیل کو پیش کرنے والے گو اس بات کے مدعی ہیں۔ کہ یہ دونوں کتب خدا تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ لیکن اس بات کے ہرگز مدعی نہیں کہ ان دونوں کتب کا ایک ایک لفظ خدا تعالیٰ کا بولا ہوا ہے مگر قرآن کریم کے متعلق وہ یہ کہنے پر مجبور ہوگا۔ کہ اس کا پیش کرنے والا نہ صرف اس بات کا دعویدار ہے۔ کہ قرآن کریم کا مضمون خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے بلکہ اس بات کا بھی دعویدار ہے کہ قرآن کریم کا ایک ایک لفظ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے اپنا نام علاوہ کتاب اللہ کے کلام اللہ بھی رکھا ہے۔ لیکن تورات اور انجیل نے اپنا نام کلام اللہ نہیں رکھا۔ نہ قرآن کریم نے ان کو کلام اللہ کہا ہے۔ پس مسلمان ممتاز ہے۔ دوسرے مذاہب سے اس بات میں کہ دوسرے مذاہب کی مذہبی کتابیں کتاب اللہ تو ہیں۔ لیکن کلام اللہ نہیں۔ لیکن مسلمانوں کی کتاب نہ صرف یہ کہ کتاب اللہ ہے بلکہ کلام اللہ بھی ہے۔

اسی طرح سب ہی مذاہب کی ابتداء انبیاء کی ذات سے ہوئی ہے۔ لیکن کوئی مذہب بھی ایسا نہیں جس نے ایسے نبی کو پیش کیا ہو۔ جو تمام امور دینیہ کی حکمتوں کو بیان کرنے کا مدعی ہو۔ اور جسے بنی نوع انسان کے لئے اسوۂ حسنہ کے طور پر پیش کیا گیا ہو۔ عیسائیت جو سب سے قریب کا مذہب ہے۔ وہ تو مسیحؑ کو ابن اللہ قرار دے کر اس قابل ہی نہیں چھوڑتی کہ اس کے نقش قدم پر کوئی انسان چلے۔ کیونکہ انسان خدا جیسا نہیں ہو سکتا۔ تورات حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بطور اسوۂ حسنہ کے پیش نہیں کرتی۔ نہ تورات اور انجیل حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کو مذہبی حکمتوں کے بیان کرنے کا ذمہ وار قرار دیتی ہیں۔ لیکن قرآن کریم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرماتا ہے یعلمکم الکتاب والحکمۃ (بقرع ۴) یعنی یہ نبی تمہیں احکام الٰہیہ اور ان کی حکمتیں بتاتا ہے۔ پس اسلام ممتاز ہے اس بات میں کہ اس کا نبی دنیا کے لئے اسوۂ حسنہ بھی ہے۔ اور جبر سے اپنے احکام نہیں منواتا۔ بلکہ جب کوئی حکم دیتا ہے تو اپنے اتباع کے ایمانوں کو مضبوط کرنے اور ان کے جوش کو زیادہ کرنے کے لئے یہ بھی بتاتا ہے۔ کہ اس نے جو احکام دیئے ہیں۔ ان کے اندر ملت، افراد، امت اور باقی بنی نوع انسان کے لئے کیا کیا فوائد مخفی ہیں۔ اسی طرح اسلام ممتاز ہے دوسرے مذاہب سے اپنی تعلیم کے لحاظ سے۔ اسلام کی تعلیم چھوٹے اور بڑے، غریب اور امیر، عورت اور مرد، مشرقی اور مغربی، کمزور اور طاقتور، حاکم اور رعایا، آقا اور مزدور، خاوند اور بیوی، ماں، باپ اور اولاد، بائع اور مشتری ہمسائے اور مسافر سب کے لئے راحت، امن اور ترقی کا پیغام ہے۔ وہ بنی نوع انسان میں سے کسی گروہ کو اپنے خطاب سے محروم نہیں کرتی۔ وہ اگلی اور پچھلی تمام اقوام کیلئے ایک ہدایت نامہ ہے۔ جس طرح عالم الغیب خدا کی نظر پتھروں کے نیچے پڑے ہوئے ذروں پر بھی پڑتی ہے۔ اور آسمان میں چمکنے والے ستاروں پر بھی اسی طرح مسلمانوں کی مذہبی تعلیم غریب سے غریب اور کمزور سے کمزور انسان کی ضرورتوں کو بھی پورا کرتی ہے۔ اور امیر سے امیر اور قوی سے قوی انسانوں کی احتیاجوں کو بھی دور کرتی ہے۔ غرض اسلام صرف گزشتہ مذاہب کی ایک نقل نہیں۔ بلکہ وہ مذہب کی زنجیر کی آخری کڑی اور نظام روحانی کا سورج ہے۔ اور اس کی کسی بات سے دوسرے مذاہب کا قیاس کرنا درست نہیں۔ مذہب کے نام میں بیشک سب شریک ہیں اسی طرح جس طرح کوئلہ اور ہیرا کاربن کے نام میں شریک ہیں۔ لیکن ہیرا ہیرا ہی ہے۔ اور کوئلہ کوئلہ ہی ہے جس طرح پتھر کا نام کنکر پر بھی اور سنگ مرمر دونوں پر بولا جا سکتا ہے لیکن کنکر یا پتھر کنکر یا پتھر ہی ہے۔ اور سنگ مرمر سنگ مرمر ہی ہے۔ پس یہ خیال کر لینا۔ کہ چونکہ اسلام میں کلمہ پایا جاتا ہے۔ اس لئے باقی مذاہب کا بھی کلمہ ہوتا ہوگا۔ یہ محض نادرفضیت ہے۔ اور قرآن کریم پر غور نہ کرنے کا نتیجہ ہے۔ اس سے بڑھ کر ظلم یہ ہے کہ بعض لوگوں نے تو لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اِبراھیم خلیل اللّٰہ۔ لا الٰہ الا اللّٰہ موسٰی کلیم اللّٰہ اور لا الٰہ الا اللّٰہ عیسٰی روح اللّٰہ کے کلمات بھی پیش کر دیئے ہیں اور کہا ہے کہ یہ پہلے مذاہب کے کلمے ہیں۔ حالانکہ تورات، اور انجیل اور عیسائی لٹریچر میں ان کلموں کا کہیں نام و نشان بھی نہیں۔ مسلمانوں میں آج ہزاروں خرابیاں پیدا ہو چکی ہیں۔ لیکن کیا وہ اپنا کلمہ بھول گئے ہیں؟ پھر یہ کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ عیسائی اور یہودی اپنا کلمہ بھول گئے ہیں۔ اگر وہ اپنا کلمہ بھول گئے ہیں۔ اور ان کی کتابوں میں سے بھی یہ کلمے نابود ہو گئے ہیں۔ تو مسلمانوں کو یہ کلمے کس نے بتائے ہیں؟ حق یہ ہے۔ کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی اور نبی کا کلمہ نہیں تھا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیتوں میں سے ایک خصوصیت یہ بھی ہے۔ کہ سارے نبیوں میں سے صرف آپ کو کلمہ ملا ہے۔ اور کسی نبی کو کلمہ نہیں ملا۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ کلمہ میں اقرار رسالت کو اقرار توحید کے ساتھ ملا دیا گیا ہے۔ اور اقرار توحید ایک دائمی صداقت ہے۔ وہ کبھی مٹ نہیں سکتی۔ چونکہ پہلی نبیوں کی نبوت کے زمانہ نے کسی نہ کسی وقت ختم ہو جانا تھا۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے ان میں سے کسی نبی کے نام کو اپنے نام کے ساتھ ملا کر نہیں بیان کیا۔ لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت نے چونکہ قیامت تک چلتے چلے جانا تھا اور آپؐ کا زمانہ کبھی ختم نہیں ہونا تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کی رسالت اور آپؐ کے نام کو کلمۂ توحید کے ساتھ ملا کر بیان کیا۔ تا دنیا کو یہ بتا دے۔ کہ جس طرح لا الٰہ الا اللّٰہ کبھی نہیں مٹے گا۔ اسی طرح محمد الرسول اللّٰہ بھی کبھی نہیں مٹے گا۔ تعجب ہے۔ یہودی نہیں کہتا کہ موسیٰ علیہ السلام کا کوئی کلمہ تھا۔ عیسائی نہیں کہتا کہ عیسیٰ علیہ السلام کا کوئی کلمہ تھا۔ صابی نہیں کہتا۔ کہ ابراہیم علیہ السلام کا کوئی کلمہ تھا۔ لیکن مسلمان جس کے نبی کی کلمہ خصوصیت تھا۔ جس کے نبی کو اللہ تعالیٰ نے کلمہ سے ممتاز کیا تھا۔ جس کو کلمہ کے ذریعہ سے دوسری قوموں پر فضیلت دی گئی تھی۔ وہ بڑی فراخدلی سے اپنے نبی کی اس فضیلت کو دوسرے نبیوں میں بانٹنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ اور جب کہ ان نبیوں کی اپنی امتیں کسی کلمہ کی دعویدار نہیں۔ یہ ان کی طرف سے کلمے بنا کر آپ پیش کر دیتا ہے۔ کہ یہودیوں کا یہ کلمہ تھا۔ اور ابراہیمیوں کا یہ تھا۔ اور عیسائیوں کا یہ کلمہ تھا۔

خلاصہ کلام یہ کہ ہر مذہب کے لئے کلمہ کا ہونا ضروری نہیں۔ اگر ضروری ہوتا۔ تب بھی احمدیت کا کوئی نیا کلمہ نہیں ہو سکتا تھا۔ کیونکہ احمدیت کوئی نیا مذہب نہیں۔ احمدیت صرف اسلام کا نام ہے۔ احمدیت اُسی کلمے پر ایمان رکھتی ہے۔ جس کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کے سامنے پیش کیا۔ یعنی

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ

احمدیوں کے نزدیک اس مادی جہان کا پیدا کرنے والا ایک خدا ہے۔ جو واحد لاشریک ہے۔ جس کی قوتوں اور طاقتوں کی کوئی انتہا نہیں جو رب ہے رحمٰن ہے۔ رحیم ہے، مالک یوم الدین ہے۔ اس کے اندر وہ تمام صفات پائی جاتی ہیں جو قرآن کریم میں بیان ہوئی ہیں۔ اور وہ ان تمام باتوں سے منزہ ہے جن باتوں سے قرآن کریم نے اُسے منزہ قرار دیا ہے۔ اور احمدیوں کے نزدیک محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب قریشی، مکی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول تھے۔ اور سب سے آخری شریعت آپ پر

(باقی صفحہ ۷ پر)

حضرت امیر المؤمنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

(کے)

سفر ناصر آباد اسٹیٹ تا ربوہ کے مختصر کوائف

(از مکرم مولوی سلطان احمد صاحب پیر کوٹی)

حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز احمدیہ اسٹیٹس کے ایک ماہ کے دورہ کے بعد مورخہ ۲۶ مارچ ۱۹۵۱ء کو جناب ایکسپریس کے ذریعہ ربوہ تشریف لے آئے۔ الحمد للہ علیٰ ذالک۔

حضور ۲۴ مارچ ۱۹۵۱ء کو دس بجے صبح کے قریب ناصر آباد اسٹیٹ سے روانہ ہوئے۔ حضور اور اہلبیت کے لئے جیپ کار کا انتظام تھا۔ باقی قافلہ اور سامان کے لئے موٹر ٹرالی کا انتظام کیا گیا تھا۔ چونکہ گاڑی آنے میں کچھ دیر تھی۔ اس لئے حضور کرسی پر جو اس غرض کے لئے مہیا کی گئی تھی۔ تشریف فرما رہے۔ اور نصف گھنٹہ تک احباب سے گفتگو فرماتے رہے۔ ازاں بعد سیکنڈ کلاس کمپارٹمنٹ میں جو پہلے سے سٹیشن پر موجود تھا۔ تشریف لے گئے۔ گیارہ بجے کے قریب گاڑی کنجیجی اسٹیشن پر رکی۔ اور کمپارٹمنٹ کو اس کے ساتھ لگا دیا گیا۔ ناصر آباد اسٹیٹ اور نسیم آباد کی جماعتوں کے احباب کثیر تعداد میں اپنے پیارے امام کو الوداع کہنے کے لئے پلیٹ فارم پر جمع تھے۔ کنجیجی سے حیدرآباد تک اور حیدرآباد سے ربوہ تک سیٹیں ریزرو کرانے اور ٹکٹ خریدنے میں مکرم محمود احمد صاحب ہیڈ کلرک ریلوے اور مکرم چودھری محمد سعید صاحب ابن حضرت نواب محمد الدین صاحب مرحوم نے قابل قدر امداد فرمائی۔ فجزاھم اللہ احسن الجزاء۔

روانگی سے قبل رستہ کے قریب کی جماعتوں کو بذریعہ ڈاک حضور کے اس سفر کی اطلاع دے دی گئی تھی۔ چنانچہ کنری نبی سر روڈ۔ ٹالہی۔ نوکوٹ جھڈو۔ ڈگری۔ میرپور خاص۔ ٹنڈو الہ یار۔ حیدرآباد سندھ رحیم یار خاں۔ خانپور۔ چودھری۔ سمہ سٹہ۔ بہاولپور ملتان چھاؤنی و شہر۔ لودھراں۔ خانیوال۔ عبد الحکیم۔ ٹوبہ ٹیک سنگھ۔ گوجرہ۔ لائل پور۔ چک جھمرہ اور چنیوٹ کے اسٹیشنوں پر مقامی اور ارد گرد کی جماعتوں کے احباب حضور سے شرف ملاقات حاصل کرنے کے لئے منتظر کھڑے تھے۔ عورتیں اور چھوٹے بچے بھی اشتیاق دید میں مردوں سے کچھ کم نہ تھے۔ جونہی گاڑی پلیٹ فارم پر پہنچتی وہ مشتاقانہ نظروں کے ساتھ حضور کا استقبال کرتے۔ اور ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے ہوئے اس کمپارٹمنٹ کی طرف دوڑتے آتے جس میں حضور سفر فرما رہے تھے۔ ہر جگہ پر مقامی عہدیداروں نے آگے بڑھ کر جماعت کے افراد کا تعارف کرایا۔ اور حضور سے مصافحہ کرایا۔ بعض جگہوں پر زائرین کا اتنا ہجوم تھا۔ کہ باوجود کوشش کے بعض دوست شرف مصافحہ سے محروم رہے۔ لیکن وہ شوق مصافحہ میں اپنے ساتھیوں سے کم نہیں تھے۔ مخلصین جماعت کے ساتھ ساتھ کئی غیر احمدی دوست بھی حضور کی زیارت اور شرف مصافحہ حاصل کرنے کے لئے منتظر کھڑے تھے۔ گاڑی حرکت میں آجاتی۔ لیکن زائرین کا شوق دیدار کم نہ ہوتا۔ بلکہ وہ اس وقت تک کہ گاڑی اتنی تیز نہ ہو جاتی۔ کہ وہ اس کے ساتھ ساتھ دوڑ نہ سکتے۔ گاڑی کے ساتھ ساتھ دوڑتے جاتے۔ مخلصین جماعت کی اس والہانہ محبت کو دیکھ کر دوسرے لوگ متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ اور اگرچہ بعض لوگ جن کے سینے کینہ اور حسد کی آگ سے جھلس رہے تھے۔ اپنے عناد کا اظہار کرنے سے باز نہیں رہتے تھے۔ لیکن شریف الطبع لوگ اس چیز کا اقرار کئے بغیر نہ رہ سکے۔ کہ یہ والہانہ محبت کسی طمع اور لالچ کے نتیجہ میں پیدا نہیں ہوئی۔ بلکہ یہ ایک غیر معمولی چیز ہے۔ جو الٰہی جماعتوں کے افراد کے سوا اور کسی میں نہیں پائی جاتی۔

نظارت امور عامہ کی زیر ہدایت ربوہ کے خدام لائل پور۔ چنیوٹ اور چک جھمرہ کے اسٹیشنوں پر موجود تھے۔ اسی طرح بعض اور لوگ بھی حضور کے استقبال کے لئے ربوہ سے لائل پور آئے ہوئے تھے۔ تا وہ اس نورانی چہرے کی زیارت کرنے میں دوسروں سے سبقت لے جائیں۔

۲۴ مارچ کو میرپور خاص میں مکرم ابو الخیر صاحب صدیقی اور مکرمہ سلیمہ بیگم صاحبہ ایم۔ اے بیگم جناب ڈاکٹر عبد الرحمٰن صاحب صدیقی ایم بی بی ایس کی طرف سے ایک ٹی۔ پارٹی کا انتظام کیا گیا۔ حضور ساڑھے چار بجے شام ڈاکٹر صاحب موصوف کے مکان پر تشریف لے گئے۔ اور سات بجے تک وہیں تشریف فرما رہے۔ اس موقعہ پر قافلہ کے بعض افراد کے علاوہ بعض غیر احمدی معززین کو بھی مدعو کیا گیا تھا۔ مکرم ڈاکٹر عبد الرحمٰن صاحب صدیقی قریباً دو ماہ سے سخت بیمار ہیں۔ حضور عیادت کے لئے ان کے کمرہ میں بھی تشریف لے گئے۔ ڈاکٹر صاحب موصوف نہایت مخلص احمدی ہیں۔ احباب دعا فرمائیں کہ خدا تعالیٰ انہیں صحت کاملہ و عاجلہ عطا فرمائے آمین۔

۲۶ مارچ پونے چھ بجے شام گاڑی ربوہ اسٹیشن پر رکی۔ مقامی جماعت کے احباب مقامی امیر جناب مولوی جلال الدین صاحب شمس کی قیادت میں حضور کے استقبال کے لئے سٹیشن پر قطاروں میں منتظر کھڑے تھے۔ جونہی گاڑی رکی۔ فضاء نعرہ ہائے تکبیر اور حضرت امیر المومنین زندہ باد اور اسلام زندہ باد کے نعروں سے گونج اٹھی۔ حضور کی طبیعت تکان کی وجہ سے ناساز تھی۔ اس لئے احباب شرف مصافحہ حاصل نہ کر سکے۔

حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ کا حیدرآباد سندھ میں

"اتحاد المسلمین" کے موضوع پر بصیرت افروز لیکچر

چونکہ جناب ایکسپریس کا انتظار کرنے کے لئے حضور نے قریباً ایک دن حیدرآباد سندھ میں قیام فرمانا تھا۔ اس لئے اس وقت سے فائدہ اٹھانے کے لئے جماعت احمدیہ حیدرآباد (سندھ) کی طرف سے ایک لیکچر کا انتظام کیا گیا۔ یہ لیکچر تھیوسافیکل ہال میں ہوا۔ لیکچر کا قبل از وقت اعلان کر دیا گیا تھا۔ داخلہ بذریعہ ٹکٹ تھا۔ قریباً ایک ہزار ٹکٹ غیر احمدی معززین میں تقسیم کئے گئے۔ ہال کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ اور ایک کثیر تعداد سامعین کی جنہیں ہال میں جگہ نہ مل سکی۔ ہال کے باہر کھڑی رہی۔ لیکچر نہایت سکون سے سنا گیا۔ صدارت کے فرائض جناب ایم۔ اے حافظ بار ایٹ لاء نے ادا کئے۔ آپ نے حضور کا تعارف کراتے ہوئے اور حضور کے علم و تقدس کی تعریف کرتے ہوئے نہ صرف اس تقریب پر خوشی کا اظہار کیا۔ بلکہ آپ نے اس امید کا بھی اظہار کیا۔ کہ انشاء اللہ جب کبھی حضور یہاں تشریف لائیں گے۔ ہمیں اپنے خیالات سے مستفید فرمائیں گے۔ آپ نے مزید فرمایا۔ ہماری خوش قسمتی ہے۔ کہ اسلام میں جماعت احمدیہ جیسی ایک جماعت موجود ہے جس کے کارنامے ایک لمبی داستان ہیں۔ اس جماعت نے اسلام کو جس جوش و خروش سے یورپ میں پیش کیا ہے۔ وہ اس کا ہی حصہ ہے۔ اور ہم سب مسلمان اس کے ممنون ہیں۔ اس جماعت کے ایک ممبر آنریبل چودھری محمد ظفر اللہ خاں حکومت میں شامل ہیں۔ اس ممبر نے دنیا میں پاکستان کی عزت کو بڑھایا ہے۔ اور دنیا میں پاکستان کا نام بلند کرنے اور اسلامی ممالک کو متحد بنانے میں عظیم الشان کامیابی حاصل کی ہے۔ یہ ممبر ساری اسلامی دنیا کے لئے ایک قابل فخر ہستی ہے۔ آج اس عظیم الشان جماعت کے عظیم الشان لیڈر کی تقریر سننے کے لئے ہم یہاں جمع ہوئے ہیں۔ اور میں اس بات پر فخر کرتا ہوں۔ کہ آج صدارت کے لئے مجھے چنا گیا۔ اس کے بعد حضور اقدس نے "اتحاد المسلمین" کے موضوع پر سوا گھنٹہ کے قریب ایک بصیرت افروز تقریر فرمائی۔ یہ تقریر انشاء اللہ جلد ہی ہدیۂ ناظرین کر دی جائے گی۔ تقریر کے بعد مکرم چودھری عبد اللہ خاں صاحب امیر جماعت احمدیہ کراچی نے صدر جلسہ اور غیر احمدی معززین کا جو اس جلسہ میں شریک ہوئے۔ شکریہ ادا کیا۔

جماعت احمدیہ کراچی نے مقامی جماعت کو لیکچر کے انتظامات میں بڑی مدد دی۔ حفاظت کا کام مجلس خدام الاحمدیہ کراچی کے سپرد تھا۔ جسے انہوں نے نہایت خوبی کے ساتھ نبھایا۔

قیام حیدرآباد کے مختصر کوائف

حضور دس بجے کے قریب حیدرآباد (سندھ) وارد ہوئے۔ اسٹیشن پر مکرم ماسٹر رحمت اللہ صاحب پریذیڈنٹ لوکل جماعت۔ مکرم سید احمد علی صاحب مبلغ مقامی اور مکرم مولوی غلام احمد صاحب فرخ مبلغ بالائی سندھ کے علاوہ لوکل جماعت اور ارد گرد کی جماعتوں کے دوست حضور کے استقبال کے لئے جمع تھے۔ حضور کے قیام کا انتظام انسپکشن بنگلہ میں کیا گیا تھا۔ حضور کار میں وہاں تشریف لے گئے۔ قافلہ کے افراد اور سامان کے لئے دو ٹرکوں کا انتظام کیا گیا تھا۔ ۲۵ مارچ کو ½ ۸ بجے صبح مکرم چودھری محمد سعید صاحب نے اپنے مکان واقع ہیرا آباد پر حضور کو چائے کی دعوت دی۔ دعوت میں چالیس کے قریب احباب مدعو تھے۔ اس موقعہ پر بعض غیر احمدی معززین کو بھی مدعو کیا گیا۔ اور اس طرح تبلیغ کا ایک موقعہ پیدا کر دیا گیا۔ حضور دس بجے کے قریب واپس تشریف لائے۔

دس بجے سے گیارہ بجے تک حضور نے بعض احمدی و غیر احمدی احباب کو شرف ملاقات بخشا۔ گیارہ بجے کے قریب ایک پریس کانفرنس بلائی گئی۔ جس میں مقامی اخبارات کے نمائندوں کے علاوہ کراچی کے بعض اخبارات کے نمائندوں نے بھی شرکت کی۔ یہ کانفرنس پونے بارہ بجے تک جاری رہی۔ ایک بجے کے قریب حضور مکرم ڈاکٹر سید غلام مجتبیٰ صاحب کی دعوت پر ان کے مکان پر تشریف لے گئے۔ اور قریباً دو بجے واپس تشریف لائے۔ ظہر اور عصر کی نمازیں حضور نے جمع کر کے پڑھائیں۔ نماز کے بعد ایک سندھی دوست حضور کی دستی بیعت کر کے سلسلہ عالیہ احمدیہ میں داخل ہوئے۔ ساڑھے چار بجے حضور لیکچر کے لئے تھیوسافیکل ہال میں تشریف لے گئے۔ لیکچر کے بعد حضور اپنی قیام گاہ پر واپس تشریف لائے۔ اور سات بجے کے قریب معہ اہلبیت سٹیشن پر تشریف لے گئے۔

شرف زیارت حاصل کرنے اور حضور کا لیکچر سننے کے لئے کراچی۔ بدین۔ میرپور خاص۔ نواب شاہ سکھر۔ کنڈی و خیرپور سٹیٹ، سانگھڑ۔ روہڑی۔ پڈیدن۔ ٹنڈو الہ یار۔ باندی۔ لاکھا روڈ۔ کوٹڑی۔ کنری۔ نبی سر روڈ۔ ڈگری۔ کوٹ احمدیاں اور احمدیہ اسٹیٹس کی جماعتوں کے احباب کثیر تعداد میں حیدرآباد تشریف لائے۔ جن کی رہائش اور کھانے کا انتظام مقامی جماعت نے کیا۔

خاکسار سلطان احمد پیر کوٹی واقف زندگی ربوہ

قتلِ مرتد محشرستان حکومت الٰہیہ کا ایک خونچکاں منظر

ہمارا ہر امر میں متفق ہونا ضروری نہیں (ادارہ)

(۱۳)

آپ سوچئے کہ مُلا کے اختیارات زیادہ وسیع تھے یا بادشاہ کے؟ بادشاہ کو جرم بغاوت ثابت کرنے کے لئے پھر بھی کچھ نہ کچھ کرنا پڑتا تھا لیکن مُلا کے لئے تکفیر کا بہانہ کچھ دشوار نہ تھا۔ اس کے لئے فقط اتنا کہہ دینا کافی تھا کہ فلاں شخص کے عقائد صحیح نہیں۔ یا اس کا فلاں عقیدہ، جمہور کے عقیدہ کے خلاف ہے۔ اس کے بعد اس پر کفر کا فتوےٰ لگا دیا جاتا اور اسے سر بازار قتل کر دیا جاتا۔ نہ کوئی وکیل نہ کہیں اپیل۔ بہ صورتِ حالات بادشاہوں کے لئے بھی بڑی مفید تھی۔ وہ اگر کسی کو اپنی مصلحتوں کی بناء پر قتل کرنا چاہتے لیکن اس کے خلاف کوئی سنگین جرم ثابت نہ کر سکتے تو ملا سے اسکے کفر کا فتوےٰ لے لیا جاتا اور اس کے بعد اسے آسانی سے حوالۂ دار و رسن کر دیا جاتا۔ "شریعت" کی رو سے باغی کو تو امان بھی دی جا سکتی تھی۔ لیکن مرتد کے لئے کہیں امان کی جگہ بھی نہ تھی۔ نیز اس کے قتل کے خلاف کوئی اور شخص بھی زبان تک نہیں ہلا سکتا تھا۔ کیونکہ ایسا کرنا "شریعت" کی تنقید و تنقیص تھی۔ اور اس کی سزا بھی موت! اس کفر سازی نے کیا قیامت ڈھائی ہے۔ اس کا اندازہ لگانا ہو تو خلافت کے بعد مسلمانوں کی تاریخ پر ایک نگاہ ڈالئے اور پھر دیکھئے کہ اس کا کونسا صفحہ ہے۔ جو خون کے دھبوں سے داغدار نہیں؟

خون ناحق کی ندیاں

اس میں ایک ایک عقیدہ کے نام پر خود مسلمانوں نے دوسرے مسلمانوں کو جس بیدردی اور بے دریغی سے قتل کیا ہے۔ کفار کی مسلح کوششوں نے بھی ان کے ساتھ ایسا نہ کیا ہوگا۔ نہایت راستباز نکوکار خداترس مسلمان ہے۔ لیکن اسے ایک جزئی عقیدے میں اختلاف ہے۔ بس اس اختلاف سے کفر کا فتوےٰ لگا۔ اس فتوے نے اسے مرتد قرار دیدیا اور ملا کی کند چھری سے اسے ذبح کر دیا گیا۔ مثال کے طور پر ایک عقیدہ "خلق قرآن" کو لیجئے۔ معتزلہ نے جب تنزیہہ ذات اور نفی صفات کا عقیدہ نکالا تو اس سے یہ سوال پیدا ہوا کہ قرآن (کلام اللہ) مخلوق ہے یا غیر مخلوق۔ اس وقت شاید آپ کہیں کہ بالآخر یہ سوال ہی کیا تھا جسے اس طرح اٹھایا گیا۔ لیکن تاریخ کے اوراق سے پوچھئے کہ اس ایک سوال نے خون ناحق کی کس قدر ندیاں بہا دیں؟ دوسری صدی ہجری میں جعد بن درہم نے قرآن کے مخلوق ہونے کا دعوےٰ کیا۔ اس کی پیروی میں جہم بن صفوان نے اس کا اعلان کیا۔ محدثین نے اس قول کو اسلام کے خلاف قرار دیا۔ اور اس عقیدے کے حاملین کو مرتد ٹھہرایا۔ اس جرم کی سزا میں خالد بن عبداللہ قسری والیٔ عراق نے جعد کو عید اضحیٰ کے دن بطور قربانی کے ذبح کیا۔ اور جہم کو سلمہ بن احوذ نے مرد میں قتل کر ڈالا۔ مامون الرشید کے عہد میں حالات نے پلٹا لیا۔ اور وہ خود اور اس کے درباری قرآن کے مخلوق ہونے کے قائل ہو گئے اب محدثین پر کفر کے فتوے لگنے شروع ہوئے اور وہ جرم ارتداد کی سزا میں قتل ہونے لگے۔ اکثر علماء نے مجبوراً قرآن کو مخلوق کہہ کر اپنی جانیں بچائیں۔ لیکن بہت سے اپنے عقیدے پر قائم رہ کر سخت ترین اذیتیں جھیلتے اور موت کے گھاٹ اترتے رہے انہی میں امام احمد بن حنبل جیسی شخصیت بھی تھی۔ امام صاحب کو جس طرح قید و بند کے عذاب میں مبتلا رکھا گیا۔ اس کے تصور سے روح کانپتی ہے۔ انہیں دربار میں بلا کر کوڑوں سے پٹوایا جاتا تھا۔ اور جب وہ بیہوش ہو جاتے تو پھر قید خانے میں بھجوا دیا جاتا تھا۔ یہ سلسلہ ایک دن، دو دن نہیں بلکہ پورے اڑھائی سال تک جاری رہا۔ معتصم (مامون الرشید کا جانشین) ان سب لوگوں کو قتل کر دیا کرتا تھا۔ جو قرآن کو غیر مخلوق کہتے تھے۔ لیکن امام صاحب کے قتل کی جرأت اس نے نہیں کی کیونکہ ان کے ساتھ عوام کی عقیدت بہت گہری تھی۔ معتصم کے جانشین، واثق نے بھی خون کی ان ندیوں میں اضافہ کیا۔ حتیٰ کہ احمد بن نصر کو اسی عقیدے کی بناء پر خود اپنے ہاتھ سے قتل کر کے "ثواب عظیم" کا مستحق بنا۔ احمد کے جسم کو سامرا میں سولی پر چڑھایا گیا۔ اور اسکے سر کو بغداد بھیجدیا۔ کان میں ایک رقعہ لٹکا دیا۔ جس میں لکھا تھا:۔

> "یہ احمد بن نصر مشرک اور گمراہ کا سر ہے
> جس کو امیر المومنین نے بغرض تقرب
> الٰہی اپنے ہاتھ سے قتل کیا ہے"

خدا خدا کر کے متوکل نے اس وحشت و بربریت کو ختم کیا۔ اور محدثین کو اطمینان کا سانس لینا نصیب ہوا۔ مامون سے واثق تک تین "خلفاء" کے زمانے میں یہ ایک جزئی اختلاف جس قدر خونریزی اور غارت گری کا موجب بنا۔ اس کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ اس وحشت و بربریت کا شرعی جواز وہ چند روایات تھیں۔ جو قتلِ مرتد کے وجوب میں وضع کر لی گئیں تھیں۔ یہ اس زمانے کا ذکر ہے۔ جسے مسلمانوں کی تاریخ میں اسلام کا درخشندہ عہد کہا جاتا ہے۔ یعنی عباسیوں کا دور۔ اور عباسیوں میں بھی مامون الرشید کا زمانہ۔ جب اس قدرے "مہذب زمانے" میں جب کہ علم و فضل کا چرچا عام تھا اور "اسلامی تہذیب و تمدن" اپنے عہد شباب پر تھا۔ فتنۂ تکفیر اور ارتداد کی پیدا کردہ سبعیت و بہیمیت کا یہ عالم تھا، تو مسلمانوں کے تاریک عہد میں جو کچھ ہوتا ہوگا۔ اس کا اندازہ خود لگا لیجئے۔ ارتداد کے الزام کے ڈر سے لوگوں کی یہ حالت ہو جاتی تھی کہ انہیں اپنے جیب میں عقائد صحیحہ کا سارٹیفکیٹ رکھنا پڑتا تھا۔ کیونکہ ملا کے اس سارٹیفکیٹ کے بغیر ہر وقت خدشہ رہتا تھا کہ نہ جانے کس وقت کوئی کفر کا فتوےٰ لگا دے اور سر بھٹے کی طرح اڑ جائے۔ پادریوں کے مظالم کی شہادت میں یورپ کے مذہبی احتساب (INQUISITION) کو بطور مثال پیش کیا جاتا ہے۔ لیکن خود ہماری تاریخ میں عقائد کے اختلاف کی بناء پر جس قدر ظلم کیشیاں اور ستم رانیاں ہوئی ہیں، وہ پادریوں کے "احتساب" سے کچھ کم نہیں

ایک اہم سوال کا جواب

اس مقام پر ضمناً ایک اہم حقیقت کا تذکرہ ضروری معلوم ہوتا ہے۔ عام طور پر پوچھا جاتا ہے کہ دین کے متعلق جو جو "نئی باتیں" قرآنی فکر کے حاملین کی طرف سے پیش کی جا رہی ہیں پہلے لوگوں نے ان چیزوں کو پیش کیوں نہ کیا۔ اور وہ اسی مسلک پر چلتے رہے۔ جسے "جمہور کا مسلک" کہا جاتا ہے۔ اس سوال کا جواب، ظلم و ستم کی ان داستانوں سے ملسکتا ہے۔ جن کی طرف اوپر اشارہ کیا جا چکا ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔ قرن اول کے مختصر سے دور کے بعد ہماری پوری تاریخ ملوکیت کی تاریخ ہے۔ جس میں مذہبی اقتدار ملا کے ہاتھ میں تھا۔ اس اقتدار کے دور میں کس کی مجال تھی کہ کوئی ایسی بات کہہ سکتا جسے ملا "عقائد صحیحہ" کے خلاف سمجھتا۔ "کل بدعۃ ضلالۃ" (ہر نئی بات گمراہی ہے) ملا کا یہ مستقل فتوےٰ تھا۔ اس کے مذہب میں بدعت کا دوسرا نام الحاد و زندیقیت تھا۔ اور الحاد و زندیقیت کی سزا موت — ان حالات میں اربابِ شریعت کے اس سوال کا جواب کہ یہ "نئی نئی باتیں" اس سے پہلے ظہور میں کیوں نہ آئیں۔ اس سے زیادہ اور کیا دیا جا سکے کہ

> شکریہ پرسشِ غم کا، مگر اصرار نہ کر
> پوچھنے والے یہ تیرا ہی کہیں راز نہ ہو

ان حالات میں کورانہ تقلید ہی وہ مسلک تھا۔ جس میں جان کی سلامتی نظر آتی تھی۔ انگریزوں کے عہد غلامی کی ہزار لعنتوں کے ساتھ، اتنی سی بات خوش آئند بھی ہو گئی کہ اس میں ملا کے ہاتھ سے وہ تلوار چھن گئی جو ہر اس مسلمان کے سر پر بجلی بنکر چمکتی اور رعد بنکر کڑکتی تھی۔ جو اس سے کسی عقیدے میں ذرا سا بھی اختلاف رکھے (اس میں شبہ نہیں کہ انگریز کے "مذہبی آزادی" کے اعلان میں خواص کی مصلحتیں پوشیدہ تھیں۔ اور سب سے بڑی مصلحت، یہ تھی کہ اس کے بغیر وہ جہاد کو حرام قرار دینے والی نبوت[۵۱] کا تخم حشیش سرزمینِ پنجاب میں بو نہیں سکتا تھا) لیکن اس کے باوجود — عدو شرے برانگیزد کہ خیرِ ما دراں باشد — اس شر میں اتنا پہلو خیر کا ضرور تھا کہ اس سے ملا کی آتشیں تلوار اس کے ہاتھ سے چھن گئی (مودودی صاحب نے "انیسویں صدی کی جس تاریک خیالی" کا تذکرہ اس طنز و تحقیر کے ساتھ کیا ہے۔ یہ اسی کا صدقہ ہے کہ وہ آج

(ا) مولویوں کی صف میں "ماڈرن" بننے کا فخر حاصل کر رہے ہیں۔ اور

(ا ا) اس وقت تک یوں زندہ بھی پھر رہے ہیں۔

شق اول اس لئے کہ مودودی صاحب کے ماڈرن بننے کا راز انگریزی کے ان الفاظ میں ہے۔ جنہیں وہ اپنی تحریروں میں اکثر استعمال کرتے ہیں۔ اگر انیسویں صدی کی اس تاریک خیالی کے عمائدین (سر سید اور ان کے رفقاء) مولوی کی تکفیر و تفسیق کے علی الرغم، انگریزی تعلیم رائج نہ کرتے تو یہ "ماڈرنیت" خود مولوی صاحب کے نصیب کیسے ہوتی؟ اور "زندہ پھرنے" کی شق اس لئے کہ مخالف گروہ کے مولوی صاحبان خود مودودی صاحب کو بھی بدعتی اور گمراہ قرار دے چکے ہیں۔ اگر "انیسویں صدی کی تاریک خیالی" ملا کے ہاتھ سے ارتداد کی تلوار نہ چھینتی۔ تو مودودی صاحب خود مولوی صاحبان کے ہاتھوں کبھی کے حوالہ دار و رسن ہو چکے ہوتے انہیں خدا کا شکر کرنا چاہیئے کہ پاکستان میں ابھی تک قانونِ شریعت" رائج نہیں ہوا۔ ورنہ قبل اس کے کہ ان کا ہاتھ تلوار تک پہنچتا۔ مولوی صاحبان کے فتاویٰ کفر و ارتداد خود ان کا خاتمہ کر چکے ہوتے ارتداد کی تلوار دو دھاری ہوتی ہے۔ جو مسٹر اور ملا دونوں پر چلتی ہے۔

خاتمہ کلام

قتلِ مرتد کے متعلق مودودی صاحب کے خیالات اور دلائل آپ کے سامنے آ چکے۔ ان کے خلاف، قرآن کریم کے متعلقہ مقامات بھی آپ دیکھ چکے۔ ان کی روشنی میں آپ خود فیصلہ فرمائیے کہ کیا قرآن کریم کی رو سے ایک مسلمان کے لئے تبدیلیٔ مذہب سزائے موت کا مستوجب ہوتی ہے اور کیا قرآن کا یہی منشار ہے کہ ایسے لوگوں کو جن کا دل اسلامی آئیڈیالوجی سے مطمئن نہ ہو۔ موت کے ڈر سے باندھ کر مسلمان بنائے رکھا جائے؟ اگر آپ سمجھتے ہوں کہ قرآن کا فی الواقعہ یہ فیصلہ اور ایسا منشاء نہیں تو پھر سوچئے کہ کیا وہ روایات جن کی بناء پر قتل مرتد کی ساری عمارت کھڑی کی گئی ہے۔

---

۵۱ عقلی بحث کرتے کرتے معلوم ہوتا ہے کہ عقل بے لگام ہو گئی ہے

قرآنی تعلیم کے یکسر خلاف ہیں یا نہیں۔

اس کے بعد اس پر غور فرمایئے کہ ہم کیا کہتے ہیں اور مولوی صاحبان (اور ان کے نمائندہ مودودی صاحب) کیا کہتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں۔ کہ ایسی روایات۔ جو قرآن کریم کی تعلیم کے خلاف ہوں قطعاً رسول اللہ صلعم کے ارشادات نہیں ہو سکتے اس لئے ہمارے نزدیک اس امر کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ (معاذ اللہ۔ معاذ اللہ) رسول اللہ کوئی ایسی بات کہہ یا کر سکتے تھے۔ جو قرآن کے خلاف ہو۔ لیکن اس کے برعکس مولوی صاحبان (اور ان کے ترجمان مودودی صاحب) کا ارشاد ہے۔ کہ اسلام کی حقیقی تعلیم وہی ہے۔ جو ان روایات کے اندر ہے۔

اس کے بعد خیال فرمایئے۔ کہ ہمارا وہ کونسا جرم ہے۔ جس کی پاداش میں ہمیں گردن زدنی اور کشتنی قرار دیا جا رہا ہے۔ اور طلوع اسلام کے پیش کردہ مسلک کو دور حاضر کا سب سے بڑا فتنہ بتایا جاتا ہے؟

یہ سب کچھ دیکھ لینے کے بعد ذرا اس پر غور فرما لیجئے۔ کہ اگر خدانخواستہ ملک میں وہ "نظام شریعت" رائج ہو گیا جس کے قیام کے لئے مودودی صاحب اور ان کی جماعت کوشاں ہے۔ اور اس طرح تنفیذ امور شریعت کی آڑ میں زمام اقتدار ان لوگوں کے ہاتھ میں چلی گئی۔ تو پاکستان میں بسنے والوں کا کیا حشر ہو گا۔ اور دنیا کس قسم کے اسلام کا تماشہ دیکھے گی۔ کیا یہ اسلام اسی دور فرعونیت کا "مقدس پیکر" نہیں ہو گا۔ جو ہر اس شخص کے خلاف جو اس سے ذرا سا بھی اختلاف رکھے۔ یہ کہہ کر فتویٰ موت صادر کر دیتی تھی۔ کہ

آمنتم به قبل ان اٰذن لکم

کیا تم نے ہماری اجازت کے بغیر ہی اپنا مذہب تبدیل کر لیا۔ (اور موسیٰ پر ایمان لے آئے) ہم جانتے ہیں کہ یہ محض عقیدے کی تبدیلی نہیں

ان ھذا لمکر مکرتموہ فی المدینۃ لتخرجوا منھا اھلھا فسوف تعلمون

یہ ایک بہت بڑی سازش ہے جو اس نظام کا تختہ الٹنے کے لئے مخفی طور پر کی گئی ہے۔ اس لئے تمہیں ابھی معلوم ہو جائے گا۔ کہ اس کا نتیجہ کیا ہے۔ (ڈرو ہمارے جبروت وقہرمانیت سے)

لاقطعن ایدیکم وارجلکم من خلاف ثم لاصلبنکم اجمعین

تمہیں ابھی بیڑیاں اور ہتھکڑیاں ڈلوائی جائیں گی تمہارے ہاتھ اور پاؤں کٹوائے جائیں گے۔ اور پھر تم سب کو سولی پر لٹکا دیا جائے گا۔

یہ ہے اس آنے والے زمانہ کی دھندلی سی تصویر جس کی داغ بیل آج اس قدر معصومیت کے ساتھ، خدا اور رسول کے نام پر ڈالی جا رہی ہے۔

یلیتنی مت قبل ھذا۔ وکنت نسیا منسیا۔[۱۹/۲۳]

— خدا عدو کو بھی یہ خواب بد نہ دکھلائے —

احمدیت کوئی نیا مذہب نہیں!

(بقیہ صفحہ ۱)

نازل ہوئی۔ آپ عجمی اور عربی، گورے اور کالے، تمام اقوام اور تمام نسلوں کی طرف مبعوث ہوئے آپ کا زمانہ نبوت ادعائے نبوت سے لے کر اس وقت تک ممتد ہے جب تک کہ دنیا کے پردے پر کوئی متنفس زندہ ہے۔ آپ کی تعلیم ہر انسان کے لئے واجب العمل ہے۔ اور کوئی انسان ایسا نہیں جس پر حجت تمام ہو گئی ہو۔ اور وہ آپ پر ایمان نہ لایا ہو۔ اور وہ خدائی عذاب کا مستحق نہ ہو۔ ہر ایک شخص جس تک آپ کا نام پہنچا۔ اور جس کے سامنے آپ کی صداقت کے دلائل بیان کئے گئے۔ وہ مکلف ہے۔ کہ آپ پر ایمان لانے کے لئے اور بغیر آپ پر ایمان لائے وہ نجات کا حقدار نہیں۔ اور سچی پاکیزگی محض آپ ہی کے نقش قدم پر چل کر حاصل ہو سکتی ہے"۔

(منقول از احمدیت کا پیغام از صفحہ اول تا صفحہ ۹ مصنفہ حضرت امام جماعت احمدیہ ایدہ اللہ تعالیٰ)

درخواست دعا

مکرم محترم جناب ڈاکٹر عبد الستار شاہ صاحب کے بائیں شانہ پر ایک پھوڑا تھا جس کا اپریشن ۱۲-۲-۵۱ کو ربوہ میں کروایا تھا۔ چوتھا مہینہ جا رہا ہے۔ ابھی تک مندمل نہیں ہوا۔ ابھی ایک انچ گہرا زخم ہے۔ گاہے گاہے بخار بھی ہو جاتا ہے۔ احباب صحت کاملہ و عاجلہ کے لئے درد دل سے دعا فرمائیں۔ (محمد صدیق الازرق بلغ)

زکوٰۃ کی ادائیگی اموال کو بڑھاتی اور پاکیزہ کرتی ہے

(ناظر بیت المال)

جلسہ تقسیم اسناد

بقیہ صفحہ (۲)

امتحان ان کے نزدیک ہوّے سے کم نہیں عجیب عجیب بہانے تراش کر انہیں ملتوی کرانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ وہ حیلے اور بہانے اس قدر بودے اور پھس پھسے ہوتے ہیں کہ تحقیق و تفتیش کے آگے ٹھہر نہیں سکتے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ گویا ہمارے طلباء میں آرام طلبی اور سہولت پسندی دن بدن گھر کرتی جارہی ہے۔ ان کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ ہاتھ ہلانے کی نوبت نہ آئے۔ اور کامیابی خود ہی ان کے قدم چومتی پھرے۔ شکایتیں ہیں کہ ختم ہونے میں نہیں آتیں۔ کبھی کہا جاتا ہے کہ امتحان کے پرچے مشکل ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ ممتحن صاحبان سنگدلی سے کام لے رہے ہیں۔ کسی کو یہ شکوہ ہے کہ یونیورسٹی کے ذمہ دار حکام ہیکڑی سے کام لیتے ہوئے طلباء کی شکایات پر کان نہیں دھرتے۔ خفیف سی تحریک پر جلوس اور مظاہرے شروع ہو جاتے ہیں۔ پھر بعض طلباء ہیں کہ شہرت طلبی کا شکار ہیں۔ اس کی خاطر وہ تحصیل علم کے اہم ترین فرض سے بھی روگردانی سے نہیں چوکتے ان کی خواہش یہی ہوتی ہے کہ سیاسی مظاہروں میں عملاً حصہ لے کر شہرت طلبی کی پیاس کو بجھائیں۔ حالانکہ وہ اس طرز عمل کے نقصانات کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ یہ خطرہ ہر وقت ان کے سروں پر منڈلا رہا ہوتا ہے کہ کہیں کوئی نام نہاد سیاستدان مطلب براری کے لئے ان کی جذباتی کیفیت اور جوش و خروش سے غلط رنگ میں فائدہ اٹھا کر تعلیمی ترقی میں روک بن کر نہ کھڑا ہو جائے۔ میرے نزدیک یہ امر قابل اعتراض نہیں ہے کہ طلباء اپنے تعلیمی دائرے کی حدود کا احترام کرتے ہوئے سیاسی مسائل پر بحث میں حصہ لیں اور اس قسم کے مباحثوں میں شریک ہوں۔ لیکن ضرورت اسبات کی ہے کہ وہ تعلیمی بحث اور مجمع باز مقرروں کی نعرہ بازی کے باہمی فرق کو کبھی فراموش نہ کریں۔ دونوں کے درمیان ایک نمایاں حد فاصل کا ہونا ازبس ضروری ہے۔

غور طلب بات

سوال پیدا ہوتا ہے کہ پریشاں خیالی اور بدنظمی کے ان مظاہروں کی وجہ کیا ہے؟ کیا بحیثیت قوم ہماری ذہنی ساخت میں کوئی خامی ہے؟ کیا اس عارضہ کو فطرت ثانیہ کا درجہ حاصل ہے یا اس کا تعلق محض اکتساب سے ہے؟ تقابل کی خاطر کہنا پڑتا ہے کہ مغربی ممالک میں لوگوں کی بے ترتیب بھیڑ میں بھی ایک گونا نظم وضبط یا تنظیم کی جھلک موجود ہوتی ہے۔ میں یہ باور کرنے کے لئے ہرگز تیار نہیں ہوں کہ اس خرابی کی نوعیت فطری یا پیدائشی ہے۔ بنیادی اوصاف کے لحاظ سے روئے زمین پر بسنے والے تمام بنی نوع انسان میں ایک قسم کی یگانگت پائی جاتی ہے۔ پس خرابی کہو یا نقص وہ ہمارے ماحول میں ہے نہ کہ ہماری فطرت یا ہمارے اپنے باطن میں۔ پھر یہ امر بھی قابل غور ہے کہ ماحول میں آب و ہوا کے اثرات اور اسی قسم کے دیگر عوامل بھی جزوی طور پر ہی ہمارے ذہنی تغافل کا باعث ہو سکتے ہیں۔ اس لئے ماحول کے صرف مادی ذرائع ہی سے اس گتھی کو سلجھانے کی کوشش بے سود ہے۔ خرابی دراصل نہ باطن میں ہے اور نہ ماحول کے مادی اثرات میں بلکہ اس کا تعلق زیادہ تر معاشرتی تربیت اور سماجی تنظیم سے ہے۔ یہ امر ہمارے لئے غور طلب ہے کہ معاشرتی تربیت اور سماجی تنظیم کی خرابی کا ایک ایسی قوم شکار ہے۔ جس کا دعوٰے ہے کہ ایک زمانہ میں وہ تہذیب و تمدن کی علمبردار تھی۔ پھر وہ اسبات میں بھی یقین رکھتی ہے کہ ایک وقت آئیگا۔ کہ جب جہانِ شب گرفتہ کی تاریکیاں اس ہی کے ذریعہ دور ہوں گی۔ اس سے بڑھ کر اور کیا ستم ظریفی ہوگی۔ کہ وہ مسلمان جن کی نماز اور دیگر عبادات بھی نظم وضبط کی تربیت کا بہترین ذریعہ ہیں۔ ان میں بے ترتیب مجمع اور بھیڑ کی سی پست ذہنیت سرایت کر جائے۔

غلامی کے اثرات

غالباً صدیوں کی غلامی نے ہماری شجاعت اور اقدار کی حس کو خمیدہ کر دیا ہے۔ ہم فائدہ پہنچانے کی بجائے فائدہ حاصل کرنے کے زیادہ قائل ہو گئے ہیں۔ یہ اسلئے ہے کہ غلامی انفرادی جذبے اور خود غرضی کی عادت کو تقویت پہنچاتی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ بدنظمی کا زہریلا مادہ آزادی حاصل کرنے کے بعد تاثیر کے اعتبار سے زیادہ مہلک صورت اختیار کر گیا ہے۔ لیکن آزادی کے ہاتھوں رہی ہوئی قوت کے یکدم بے لگام ہو جانے کا یہ قدرتی ثمر ہے۔ جس کا ابتدائی ردعمل کے طور پر ظاہر ہونا لازمی تھا۔ اب وہ مرحلہ جلد آنا چاہیئے کہ جب ہماری قوتوں اور صلاحیتوں میں مضبوطی اور استحکام پیدا ہو اور انفرادی ضروریات اور قومی ضروریات میں توازن کی کیفیت رونما ہو کر ایک صحت مند ماحول کی بنیاد ڈالنے کا موجب بنے۔ صحیح آزادی اسوقت نصیب ہوتی ہے کہ جب ہر فرد اپنی انفرادیت کو ترقی دینے کے ساتھ ساتھ ذاتی خواہشات کو قومی مفاد کے تحت لے آئے۔ میرے نزدیک اس طریق پر گامزن ہونا ہمارے لئے قطعاً مشکل نہیں ہے۔

اس میدان میں ہمارے نوجوان قول کی بجائے اپنے عمل سے مثال قائم کر دکھانے میں بہت خدمت سرانجام دے سکتے ہیں۔ یاد رکھئے۔ طاقتور ہی فراخدلی کا ثبوت دے سکتے ہیں۔ کمزور ہمیشہ دوسروں کے لئے جگہ خالی کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے۔ ضروری ہے کہ ہمارے تعلیمیافتہ نوجوان آگے آئیں۔ اور اپنے آپ کو نظم وضبط کے اعتبار سے دوسروں کے لئے مشعل راہ بنائیں رہنمائی اور ہدایت کی روشنی ان میں سے اس طرح پھوٹ پھوٹ کر نکلے۔ جس طرح ایک اندھیرے کمرے میں جلتی ہوئی شمع سے نور پھوٹتا ہے اگر آپ رواداری اور فراخدلی کے مادہ سے فائدہ اٹھانے کی عادت ڈال لیں۔ تو آپ لوگوں کے لئے دوسروں کی خاطر اپنا حق چھوڑنا نسبتاً زیادہ آسان ہو جائے گا۔ شرح صدر اور بشاشت قلب کیساتھ فراخدلی کا اظہار ایک اور بڑی خوبی ہے۔ جس کی ہم میں بہت کمی ہے۔ ہم گہری سنجیدگی ہی میں خوشی کا راز مضمر سمجھتے ہیں۔ ہم اس امر کو فراموش کر بیٹھے ہیں۔ کہ زندگی کو خوشگوار بھی بنایا جا سکتا ہے۔ خود اپنے آپ پر ہنسنے کی صلاحیت ہم میں مفقود ہو چکی ہے حتیٰ کہ ہلکی سی مسکراہٹ بھی ہمارے چہروں کو بشاشت سے ہمکنار نہیں کرتی۔ اگر آپ کبھی کبھی اپنے عیوب اور خامیوں اور خود فریبی پر خود ہی ہنسنے کی عادت ڈال لیں تو آپ کو بہت جلد معلوم ہو جائے کہ صورتِ حال کو کس طرح بہتر بنایا جا سکتا ہے۔ شکست خوردہ ذہنیت کا یہی بہترین علاج ہے۔ اگر آپ اپنے اندر شگفتگی اور فراخدلی پیدا کر لیں۔ تو کوئی شکست اور ہزیمت بھی آپ کے باطنی سکون اور توازن کو پراگندہ نہیں کر سکتی۔ میں یقین دلاتا ہوں کہ یہ چیز زندگی کے ۔۔۔ اور طوفانوں پر قابو پانے میں آپ کے لئے بہت حد ثابت ہوگی۔ اس کشمکش میں آپ کے جسم کو خواہ کتنی ہی تکلیف کیوں نہ پہنچے۔ آپ کی روح ہر ایک بات سے محفوظ رہے گی۔

قیادت کی اہلیت

میں قومی خامیاں اور نقائص گنوا کر آپ کو افسردہ کرنا نہیں چاہتا۔ وہ بلاشبہ موجود ہیں اور اپنے موقع پر ان کا احتساب بھی ضروری ہے لیکن اپنی قوم اور اپنے ملک کے مستقبل کے متعلق میں پر امید ہوں اور اسبارے میں ایک غیر متزلزل یقین پر قائم ہوں۔ ہمارا سب سے بڑا سرمایہ ہماری اپنی شاندار افرادی قوت ہے۔ اسے ضرورت ہے تو صرف صحیح رہنمائی اور صحیح قیادت کی۔ یہ ہمارے نوجوانوں کا فرض ہے کہ وہ آگے آئیں وقت کی ضرورت کو پہچانیں اور اپنے آپ کو اس رہنمائی اور قیادت کا اہل ثابت کریں۔ جس کا بار مستقبل میں ان کے کندھوں پر پڑنے والا ہے۔ وہ اپنی قسمت اور مسلمان قوم کی قسمت کے معمار بن سکتے ہیں۔ وہ اپنے منتہائے مقصود کی طرف بڑھیں اور اس حال میں بڑھتے چلے جائیں کہ ان کی صفوں میں پوری تنظیم ہو اور ان کے دل کامل یقین اور کامل ایمان سے لبریز ہوں۔

اس غرض کے لئے میں آپ کو اس سے بڑھ کر اور کوئی دستور العمل نہیں بتا سکتا۔ جو بانیٔ پاکستان نے ان تاریخی الفاظ میں قوم کو دیا ہے "یقین اتحاد اور تنظیم"۔ وہ نظم وضبط اور اتحاد جو یقین کی دولت سے مالا مال نہ ہو۔ ان کو تباہی کی طرف لے جا سکتا ہے۔ یقین ہی وہ بنیادی پتھر ہے۔ جس پر پاکستان قائم ہوا۔ اب اس عمارت کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی کوشش میں یقین و ایمان ہی ہمارے لئے مشعل راہ ہونا چاہیئے۔ پاکستان کا استحکام وہ ذمہ داری ہے۔ جو ہمارے محبوب قائد اعظم نے ہم کو سونپی ہے۔ خدا ان پر اپنا فضل اور رحم نازل فرمائے

"پاکستان زندہ باد"